اس بیمار سے کہے کہ فلانے حکیم کے پاس جا اور اس کا علاج کرا' اور وہ بیمار یہ جواب دے کہ اس کے پاس جانا اور اس سے علاج کرانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے مجھ سے کیونکر یہ ہوسکتا ہے' کیونکہ میں سخت بیمار ہوں' سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت کا انکار کر رہا ہے' اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ جو تندرستوں ہی کا علاج کرے اور انہیں اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کا ہے کا! غرض جو کوئی بہت جاہل ہے اس کو اللہ و رسول کا کلام سمجھنے میں زیادہ رغبت چاہئے اور جو بہت گنہگار ہو اُس کو اللہ و رسول کی راہ چلنے میں زیادہ کوشش چاہئے۔ سو یہ ہر خاص و عام کو چاہئے کہ اللہ و رسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں اور اسی کو سمجھیں اور اسی پر چلیں اور اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں۔''

(ماخوذ: تاریخ زوالِ ملت اسلامیہ۔ انتخاب: نوید احمد' کراچی)

بقیہ: تعارفِ قرآن

اتنا اور کسی کتاب کا نہیں ہے۔ یعنی قراءت کے فرق بھی ریکارڈ پر ہیں' سبعہ قراءت اور عشرہ قراءت ریکارڈ پر ہیں' ان میں بھی ایک ایک حرف کا معاملہ مدوّن ہے کہ فلاں قراءت میں یہ لفظ زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے یا زیر کے ساتھ۔ اور یہ تمام official قراءات ہیں۔ باقی جہاں تک رسم الخط کا تعلق ہے اس کا ٹیکسٹ حضرت عثمان ؓ نے معین کر دیا۔ امت مسلمہ پر یہ ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ قرآن حکیم کی compilation اور اس کی تدوین کے متعلق یہ چیزیں ذہن میں رہنی چاہئیں۔ یہ حقائق سامنے نہ ہوں تو کچھ لوگ ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر سکتے ہیں۔ (جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ اور مقامِ عبدیت

تحریر: محمد یونس جنجوعہ

اللہ وحدہ لاشریک کائنات کا خالق' مالک اور رازق ہے جبکہ حضرت محمد ﷺ اس کے پیغمبر یعنی بھیجے ہوئے ہیں' تاکہ وہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا والے کام کرنے کی ہدایت کریں اور اس کی ناراضگی والے کاموں سے بچنے کی تلقین کریں۔ اس حقیقت کو انتہائی سادگی کے ساتھ کلمۂ طیبہ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جبکہ محمد ﷺ اُس کے رسول ہیں۔ بس یہ ہے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا رشتہ۔ تاہم اللہ اور رسول اللہ کے رشتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے' کیونکہ افراط و تفریط انسانی طبائع کا خاصہ ہے۔ انسان جس سے متاثر ہوتا ہے اس کی تعریف و توصیف یا پھر مذمت میں غلو سے کام لیتا ہے۔ جس شخصیت کو اچھا سمجھتا ہے اُس کی کمزوریوں سے بھی چشم پوشی کرتا ہے اور جس کو برا سمجھتا ہے اس کی خوبیوں کو بھی خامیاں تصور کرتا ہے۔ یہ انداز حقیقت کے خلاف اور بے انصافی پر مبنی ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اسی لئے شاعری کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں اکثر غلو کا عنصر شامل ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر مسلمان کی جذباتی وابستگی اور عقیدت ہے' مگر یہاں بھی افراط و تفریط کی انسانی کمزوری در آتی ہے تو صورتِ حال غیر متوازن ہو کر خطرناک ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں واحد و یکتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا انتہائی بے انصافی ہے۔ شرک وہ گناہ ہے جس کی بخشش نہیں ہو سکتی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ (المائدۃ: ۷۲)

''جس شخص نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا یقیناً اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی۔''

ادھر رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف میں کمی کرنے سے اعمال ضائع ہونے کا ڈر سنایا گیا ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے بارے میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت

ہے۔اسی لئے کسی نے کہا ہے: ع با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار! یعنی خدا کی صفاتِ عالیہ تو لامحدود ہیں لہٰذا دیوانہ وار اس کی صفت بیان کرو۔ یہاں کوئی حد مقرر نہیں کہ اس سے آگے نہیں جانا۔ خدا تعالیٰ کی صفات تو حدود و قیود سے بالا ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک میں حدود و قیود ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر اُن حدود سے نیچے آئے تو گستاخی کا ڈر ہے' اگر اُوپر گئے تو شرک کا خطرہ ہے۔

جس طرح مخلوق کے کسی فرد میں الوہیت کا شائبہ تک نہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی الوہیت میں کسی طور پر حصہ دار نہیں' بلکہ جس طرح عام لوگوں کو شرک سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی شرک سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں عام نصیحت یہ ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾

(النساء:٤٨و١١٦)

''اللہ تعالیٰ اِس بات کو ہرگز نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جو بھی (گناہ) ہو اُس کو وہ بخش دے گا جس کے لئے چاہے گا''۔

اور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ......﴾ (الزمر:٦٥)

''آپ کی طرف اور اُن کی طرف جو آپ سے پہلے ہوئے' یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے''۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی' انکساری اور بندگی میں گزاری اور کبھی بڑا بول نہیں بولا۔ جب کبھی آپؐ کو اپنی پوزیشن واضح کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپؐ نے کبھی غلط فہمی نہیں پیدا ہونے دی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ)) کہ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ مگر ساتھ ہی یہ فرمایا کہ: ((وَلَا فَخر)) یعنی میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا (بلکہ حقیقت بیان کرنے کی خاطر کہتا ہوں)۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپؐ کے سامنے کہہ دیا ''مَاشَاءَ اللّٰهُ وَمَاشَاءَ مُحَمَّدٌ'' اس پر آپؐ نے ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟)) ''کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا؟'' اور صرف مَاشَاءَ اللّٰهُ کہنے کی تعلیم دی۔ یہ اس لئے کہ خود قرآن مجید میں اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنی

بشریت کا اعلان کیجئے تا کہ آپ کے عظیم مرتبے کی بنا پر لوگوں کو کسی طرح کی غلط فہمی نہ ہو جائے۔ ارشاد ہوا: ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (الکہف:١١٠ فصلت:٦) ''کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ!) میں انسان ہوں تمہاری طرح البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے''۔

اللہ تعالیٰ اور انسان کا رشتہ معبود اور عبد کا ہے۔ یہی رشتہ اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ قرآن مجید میں بار بار رسول اللہ ﷺ کو عبد کہا گیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے دور کی مسجد کی طرف''۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ جو دعائیں اللہ کے حضور کیا کرتے تھے ان میں اپنے آپ کو عبد ہی کہتے تھے۔ مثلاً آپ کی ایک دعا جو مسند احمد اور رزین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ)) ''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں' اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں''۔ اس ضمن میں اُمت کو جو الفاظ سکھائے ان میں بھی آپ نے ''عبد'' کا لفظ بتایا۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اقرار کرے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں''۔ یوں آپ ﷺ نے ہر مسلمان پر اللہ کے حکم سے اپنی پوزیشن واضح کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کی طرح آپ سے پہلے گزرنے والے تمام انبیاء و رُسل بھی اللہ کے بندے تھے' کسی میں بھی الوہیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ٩٠ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نزولِ وحی کے لئے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے چن لیتا ہے۔ سورۃ ص کی آیت ٤٥ میں ابراہیم واسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ''عِبَادَنَا'' یعنی ''ہمارے بندے'' کہا ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں کہا: ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ٣ میں نوح علیہ السلام کو ﴿عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ یعنی ''شکر گزار بندہ'' کہا گیا ہے۔

عبد کے لئے ضروری ہے کہ وہ معبود کی عبادت میں لگا رہے' زندگی کی عملی جدو جہد میں وہ اپنے معبود کی اطاعت کرے اور دوسرے مراسمِ عبودیت میں بھی ہمہ تن مصروف رہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ اپنے ربّ کے حضور میں عجز و نیاز کے ساتھ رات کی تنہائی میں عبادت میں ایسے محو ہوتے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا۔ پوچھا گیا کہ آپؐ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا ''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (الزمر) ''(اے پیغمبر) کہہ دیجئے مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے فرمانبردار ہو جاؤں۔ کہہ دیجئے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے''۔ بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ کسی وقت بھی اپنے آقا کی مہربانیوں کی وجہ سے بے باک نہ ہو۔ بلکہ جوں جوں مالک اُس پر مہربان ہو وہ بندگی میں آگے بڑھتا جائے اور یہی حال رسول اللہ ﷺ کا تھا۔

قرآن مجید میں کئی جگہ پر رسول اللہ ﷺ کے لئے تنبیہ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ آپؐ کی قدر و منزلت اور محبوبیت میں اضافے کی دلیل ہیں' جبکہ فہم نارسا رکھنے والے ایسے جملوں کو آپؐ کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جان لینا چاہئے کہ پورے قرآن حکیم میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ اس سے آپ ﷺ کی شان میں کمی ہوتی ہے۔ آقا جب اپنے غلام کو بعض اوقات ہدایات دیتا ہے اور ان ہدایات پر کاربند رہنے کی تاکید کرتا ہے تو اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ غلام ان ہدایات کے بارے میں باخبر رہے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کے مالک کی نگاہ میں اس کے رتبے میں کمی آئے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ سے مخالفین نے چند سوال پوچھے۔ آپؐ نے اس اُمید پر کہ اللہ تعالیٰ ان سوالوں کا جواب بتا دے گا تو میں پوچھنے والوں کو مطمئن کر دوں گا' کہہ دیا کہ کل بتاؤں گا۔ کئی دن تک وحی نہ آئی۔ آپؐ انتظار میں رہے۔ جب وحی آئی تو ان سوالوں کے جواب بھی بتائے گئے اور ساتھ ہی یہ الفاظ بھی آئے کہ: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (الکھف) ''آپ کسی چیز کے بارے میں ہرگز ایسا نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کروں گا۔ ہاں ساتھ ''اِن شاء اللہ'' بھی کہیے!'' یہ راہنمائی محبوبیت کا تقاضا بھی ہے اور اُمت کو تعلیم بھی کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی راہنمائی اور ہدایت کے محتاج ہیں اور اس کی مشیت کے تابع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بہت سا علم دیا' لیکن جو بھی دیا وہ اللہ کی مہربانی ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور دوسری تمام صفات کی طرح اس صفت کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ مخلوق

میں کوئی ایسا فرد نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی صفت پائی جا سکے۔ اسی لئے قرآن مجید میں واضح کر دیا گیا' بلکہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی کہلوا دیا گیا کہ:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ﴾ (الانعام:٥٠)

''میں نہیں کہتا تمہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں' اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ ہاں میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے''۔

اسی طرح کے الفاظ سورۂ ہود کی آیت ۳۱ کے ہیں۔

انبیاء کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ ہمہ وقت وحی کے انتظار میں ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے جس بات پر انہیں مطلع کرتا اس سے وہ باخبر ہو جاتے۔ قرآن مجید میں ہے کہ: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ﴾ (ہود:٤٩) ''یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ کو ان کی خبر تھی اور نہ آپ کی قوم کو''۔ پھر فرمایا کہ: ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ﴾ (النمل:٦٥) ''کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ!) زمین و آسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے''۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں عالم الغیب اور عالم ما کان وما یکون کا عقیدہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ یہ باتیں اس لئے واضح کر دی گئیں تاکہ عقیدت مندی کے غلو میں لوگ حدود پھلانگ کر گمراہی میں نہ جا پڑیں۔ کیونکہ اللہ کی صفت مخلوق میں ماننا یہی تو شرک ہے۔ اور شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ وہ ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔ سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت کے علاوہ مزید ملاحظہ فرمائیے: المائدۃ:۷۲' الحج:۳۱۔

شرک سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی روک دیا' حالانکہ یہ بات حدِّ امکان سے باہر ہے کہ آپؐ شرک کا ارتکاب کریں' مگر آقا کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بندے کو مہلکات سے متنبہ فرمائے اور اس کے ذریعے عوام الناس پر شرک کی شناعت واضح کرے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝﴾ (الجن)

''(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے ربّ کو پکارتا ہوں اور میں اُس کے

ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا''۔

اس کے علاوہ یہی مضمون سورۃ الزمر کی آیت ۶۵ میں بھی واضح کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی رسالت ہے۔ یعنی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا کر ہدایت کی طرف دعوت دینا۔ حضور ﷺ اسی بات کے مکلف تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (النور:۵۴' العنکبوت:۱۸)

''رسول کے ذمہ تو بس واضح طور پر پیغام پہنچا دینا ہے''۔

پھر سورۃ المائدۃ میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ﴾ (آیت ۶۷)

''(اے پیغمبرؐ!) جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو' اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا)''۔(۱)

ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ نے تو حق تبلیغ بہترین انداز میں ادا کیا اور پھر حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے شہادت بھی لے لی جب انہوں نے اقرار کیا کہ آپؐ نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ ہاں کسی کو ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ (الانعام:۱۰۷' الزمر:۴۱' الشوریٰ:۶)

''(اے پیغمبر!) تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو''۔

اسی طرح واضح کر دیا گیا کہ کسی باطل پرست کو حق پرست بنا دینا آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے روز یہ نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں فلاں اشخاص کیوں کفر پر اڑے رہے' آپؐ ان کو اسلام میں داخل کیوں نہ کر سکے؟ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ (البقرۃ)

''اور (اے پیغمبر!) اہل دوزخ کے بارے میں تم سے کچھ پرسش نہ ہوگی''۔

یعنی جو لوگ دوزخ میں ڈالے گئے ہیں ان کے بارے میں پرسش کہ آپ ان کو جنتی کیوں نہیں بنا سکے۔ جو کام کسی کی استطاعت سے باہر ہو تو اُس سے اُس کام کے بارے میں جواب طلبی کسی طرح بھی درست نہیں۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کا حقیقی چچا ابو طالب کفر پر ہی فوت

(۱) ترجمہ: مولانا فتح محمد جالندھری

ہوا' حالانکہ آپؐ نے اس کو اسلام قبول کرنے کی پرزور اور بار بار دعوت دی۔ اگر اس کو اسلام میں داخل کرنا آپؐ کے اختیار میں ہوتا تو آپ اس کو ہرگز کفر پر نہ رہنے دیتے۔ اسی ضمن میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (القصص)

''(اے پیغمبر!) تم جس کو دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے' بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے''۔

اس آیت کے تحت شاہ عبدالقادر ''موضح القرآن'' میں لکھتے ہیں: حضرت ﷺ نے اپنے چچا (ابوطالب) کے واسطے سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ ہی کہے' اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اتری''۔ یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے' آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے' کون نہیں پہنچتا' یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصولی الی المطلوب کی توفیق بخشے۔ اگر کوئی اس معاملے میں غلو کرتے ہوئے حضور ﷺ کو مختار سمجھے تو وہ اپنی جہالت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوگا کہ انہوں نے اپنے اختیار کے استعمال میں کوتاہی کی جس کے نتیجہ میں اور بہت سوں کے علاوہ آپ کا حقیقی چچا بھی ہدایت سے محروم رہ گیا۔ (العیاذ باللہ)

کسی انسان کو نفع یا نقصان پہنچانا' بلکہ پیغمبر کو بھی' صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی لئے سب کو حکم ہے کہ وہ حصولِ نفع کے لئے اور دفع مضرت کے لئے اللہ ہی کو پکاریں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ (یونس: ۱۰۶'۱۰۷)

''اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے۔ اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں' اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں''۔

سورۂ یونس ہی میں ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ (آیت ۴۹)

''(اے پیغمبرؐ!) کہہ دیجیے میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا' مگر جو اللہ چاہے۔''

یعنی میں خود اپنے نفع یا نقصان کا صرف اس قدر مالک ہوں جتنا اللہ چاہے' پھر دوسروں پر کوئی بھلائی برائی وارد کرنے کا مستقل اختیار مجھے کہاں سے ہوتا! خود رسول اللہ ﷺ کو اور آپؐ کے صحابہ کرام ؓ کو زندگی میں سخت مصائب اور تکالیف برداشت کرنے پڑے۔ اگر تکلیف کا دُور کرنا اور آرام کا حاصل کر لینا آپؐ کے اختیار میں ہوتا تو آپ کبھی بیمار نہ پڑتے' طائف کا واقعہ پیش نہ آتا' جنگ اُحد میں آپؐ کے دندان مبارک شہید ہونے کی نوبت نہ آتی' آپ اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ ؓ کی لاش مبارک کو کافروں کے ہاتھوں بے حرمتی سے بچا لیتے جنہوں نے اُن کا مثلہ کیا تھا۔ پس ہر انسان کا نفع ونقصان اللہ کے ہاتھوں میں ہے اور انبیاء سمیت سب لوگ مشکلات اور مصائب میں اسی کو پکارتے ہیں۔ بیسویں پارے کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کے مختارِ مطلق ہونے کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ وہیں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (النمل)

''بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے' اور کون اُس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور کون تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے؟ (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) مگر تم بہت کم غور کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے استعانت جائز نہیں۔ عام لوگوں کی بھی اور نبی ﷺ کی بھی یہی پکار رہی ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ (الفاتحہ) ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے''۔ یعنی جس طرح عبادت صرف اللہ کی ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اسی طرح استعانت بھی صرف اللہ سے ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں۔ یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ اس کو پکارا جائے' اس سے استدعا کی جائے۔ ''یا فلاں مدد!'' اور ''یا فلاں مدد!'' کے نعروں

کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے ہمارے اسلاف کے ہاں اِن کا وجود نہیں پایا جاتا۔ یہ بات عام فہم ہے کہ جس کا اختیار ہی نہیں اُس کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا نری جہالت ہی تو ہے۔

اللہ تعالیٰ مختارِ مطلق ہے۔ اس کے اختیار میں کسی دوسرے کی مداخلت خارج از بحث ہے۔ اسے نہ کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ مشورے کی‘ جبکہ مخلوق کا ہر چھوٹا بڑا اس کا محتاج اور دست نگر ہے۔ انبیاء اشرف مخلوق کے افراد ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور انبیاء کے سردار رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کے بندے تھے۔ سورۃ آل عمران میں جنگِ اُحد کا ذکر ہے جس میں آپؐ کے چچا حضرت حمزہ ؓ سمیت ستر صحابہ شہید ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دایاں دانت شہید ہوا۔ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں‘ پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہان ہوا۔ اسی حالت میں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ کفار نے مشہور کر دیا: اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ ”محمد ﷺ مارے گئے (نعوذ باللہ)“۔ اس سے مجمع بدحواس ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کو ہوش آیا تو اُس وقت زبانِ مبارک سے نکلا: ”وہ قوم کیونکر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا جو اُن کو اللہ کی طرف بلاتا تھا؟“۔ مشرکین کے وحشیانہ شدائد اور مظالم کو دیکھ کر آپؐ سے نہ رہا گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے لئے آپؐ نے بددعا کا ارادہ کیا ـــــ یا شروع کر دی ـــــ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۲۸﴾

(آل عمران)

”(اے پیغمبر!) تمہارا اختیار کچھ نہیں‘ یا اُن کو توبہ دے اللہ تعالیٰ یا اُن کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں“۔

یعنی آپؐ اپنے اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف اس طرح کے الفاظ اور بددعا زبان سے نہ نکالیے! یہ آپؐ کے مقامِ بلند سے فروتر ہے۔ پھر آپؐ نہیں جانتے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اِن ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپؐ کا جاں نثار عاشق بنا دے۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ جن لوگوں کے حق میں آپؐ بددعا کر رہے تھے چند روز کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو قبولِ اسلام کی توفیق دی۔ انہی میں حضرت خالد بن ولیدؓ تھے جو بعد ازاں مشرف باسلام ہوئے اور اپنی جلیل القدر جہادی خدمات کے عوض رسول اللہ ﷺ سے ”سیف اللہ“ کا خطاب پایا۔ پس رسول اللہ ﷺ

افرادِ اُمت کے لئے انتہائی واجب الاحترام ہیں۔آپؐ کے حکم ہی نہیں بلکہ اشارے پر بھی افرادِ اُمت کو عمل کرنا ہے۔مگر وہ خود اللہ کے احکام کے پابند اور اُس کی رضا کے طالب ہیں۔ آپؐ کے ساتھ بھی تمام بشری تقاضے موجود تھے مگر اس کے باوجود آپ نے بھرپور زندگی گزاری جو سراسر تقویٰ اور رضائے الٰہی کے مطابق تھی۔ایسی مثالی زندگی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی سیرت کو اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔زندگی میں انہی بشری تقاضوں کے تحت اگر کبھی آپ سے خلافِ اولیٰ بات ہوئی تو مہربان ربّ نے فوراً آپؐ کو خبردار کیا اور راہنمائی میسر فرمائی۔

آقا کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے غلام کو مہلکات سے خبردار کردے۔قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ ۙاِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (البقرۃ)

''(اے پیغمبر!) اگر تم باوجود اس کے کہ تمہارے پاس دانش (یعنی وحیٔ الٰہی) آ چکی ہے اُن (کفار) کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے تو ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے''۔

یہی مضمون سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۰ میں بیان ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپؐ کو مصالحت کی بڑی بڑی پیشکشیں ہوئیں مگر آپؐ نے انہیں ہرگز قبول نہ کیا' کیونکہ وحی کے خلاف عمل کرنا آپؐ کی ذاتِ مبارکہ سے محال تھا اور اس کی سنگینی آپؐ پر (امت کو متنبہ کرنے کے لئے) واضح کر دی گئی تھی۔یہی وجہ ہے کہ جب کفارِ قریش نے چند شرائط پر آپؐ کو مصالحت کی پیشکش کی تو آپؐ نے فرمایا:''اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تو میں اِن خلافِ حق شرائط کو قبول نہیں کر سکتا''۔

بہرحال پروردگارِ عالم تو واحد ہی ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔بلکہ ہر فرد فرشتہ ہو یا رسول' نبی ہو یا ولی' شہید ہو یا مجاہد' سب اُس کے بندے اور اس کے تابع فرمان ہیں۔مخلوق کا کوئی فرد کتنا بھی صاحبِ فضیلت ہو وہ بندہ ہی رہے گا۔کسی بزرگ ہستی نے بہت خوب کہا ہے۔

اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّل
وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی

یعنی ربّ ربّ ہی ہے' اگرچہ کتنا ہی نیچے اترے اور بندہ' بندہ ہی ہے خواہ کتنا ہی بلند ہو جائے۔اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرمانے کے باوجود اللہ ہی رہتا ہے اور بندہ عرش عظیم تک بلند ہو کر بھی بندہ ہی رہتا ہے۔بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوا اور آپؐ اُس بلند

ترین مقام پر پہنچے جہاں مخلوق کا کوئی دوسرا فرد نہیں پہنچا‘ مگر اس کے باوجود آپ ربّ کے بندے اور اس کے حضور عاجزی کرنے والے تابع فرمان ہی رہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ﴾ (آل عمران:۱۴۴)

”محمد (ﷺ) تو بس اللہ کے رسول ہیں‘ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر یہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟“

یعنی حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نہ وہ ہمیشہ سے ہیں اور نہ وہ ہمیشہ رہیں گے‘ ایک دن اُن پر موت طاری ہو جائے گی‘ مگر اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا‘ اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر تمام صحابہ کرام ﷺ غم سے نڈھال تھے۔ حضرت عمر ﷺ پر تو صدمے کی شدت اس قدر طاری ہوئی کہ آواز لگائی کہ جو کوئی کہے گا کہ محمد ﷺ وفات پا گئے مَیں اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے یہی آیت تلاوت کر کے حضرت عمر فاروق ﷺ کو نارمل کیا تھا۔ تمام مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کی شاہکار تخلیق ہیں مگر ہیں تو بہرحال مخلوق! الوہیت سے آپؐ بری ہیں۔ تمام کائنات اللہ نے پیدا کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام کائنات پر فضیلت ہے۔ اس ساری فضیلت اور عظمت کے باوصف آپ اللہ کے بندے‘ اسی کے عبادت گزار اور تابع فرمان ہیں۔ انسانوں کو آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے کہ لوگوں کی نجات اور بھلائی اسی میں ہے‘ مگر آپؐ خود اللہ کے احکام کے پابند ہیں‘ اسی کے سامنے سربسجود ہیں اور اسی سے عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ کفار دلائل میں تو حضور ﷺ سے مار کھا گئے تھے‘ اب وہ معجزہ دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی چاہتے تھے کہ اُن کا مطالبہ پورا ہو جائے اور وہ لوگ ایمان لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ آپؐ کو فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾ (الانعام)